



LANGUAGE AND DIALECT: A CONCEPTUAL AND SOCIAL ANALYSIS

زبان اور بولی: فکری و سماجی تجزیہ

Raheela Tabassam

MPhil Urdu Scholar

Superior University, Faisalabad.

Dr. Mubshar Saeed Bajwa

Head, Department of Urdu,

Superior University, Faisalabad

Abstract:

Language, though seemingly simple, is complex in structure and function. Linguists analyze its significance, evolution, and role in communication. The distinction between **language** and **dialect** is based on standardization and social acceptance. A dialect is a regional or social variation of a language; when widely recognized, it evolves into a formal language. Dialects often lack literary tradition or institutional support, preventing them from becoming full-fledged languages. Every language originates as a dialect and evolves over time, influenced by social, cultural, and regional factors. Linguistic diversity results from variations in pronunciation, vocabulary, and usage across different communities. Ultimately, language is a dynamic system shaped by its speakers, where dialects contribute to its richness and adaptability.

Keywords:

Language vs. Dialect, Linguistic Evolution, Standardization of Language, Phonetics and Speech Variations, Regional Dialects

زبان بظاہر ایک سادہ سی بات ہے۔ ہر آدمی زبان سے واقف ہے اور ہر نوع ہر قبیل کا فرد کسی نہ کسی صورت اس سے فیض یاب ہوتا نظر آتا ہے۔ مگر اس کی اصلیت، ماہیت، حقیقت اور طریق کار کے حوالے سے صرف ماہرین لسانیات ہی غور و فکر کرتے ہیں۔ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی کیا اہمیت ہے اور یہ سماج میں کیا کردار ادا کرتی ہے اور اگر زبان نہ ہو تو ذرائع بیان اور اظہار کے وسیلے میں کتنے مسائل کا شکار ہو جائیں گے۔ اسی لیے اگر کوئی شخص تلاش روزگار یا کسی اور وجہ سے کسی ایسے ملک میں چلا جاتا ہے۔ جہاں کی زبان کی الف۔ بے سے بھی واقف ہیں۔ پھر اسے زبان کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے کہ زبان ترسیل خیالات اور اظہار بیان کے لیے کتنی ناگزیر ہے۔ پھر وہ سوچتا ہے کہ کاش میں نے یہاں آنے سے پہلے یہاں کی زبان کے بارے میں کچھ نہ کچھ سیکھ لیا ہوتا۔

زبان ایک سادہ سا لفظ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں گہرائی اور پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ بہت سے الجھے ہوئے صوتیاتی دھاگے اس کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں جنہیں لسانیات سلجھانے کی کوشش کرتی ہے۔ مختلف ماہرین لسانیات نے اس کے اس رویے کو مختلف انداز اور اقسام میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

زبان اور بولی میں فرق:

ایک ہی علاقے میں ملتی جلتی مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔ انھیں بولیوں میں سے کوئی سی ایک بولی جسے عوام اور پڑھے لکھے طبقے کی توجہ زیادہ حال ہو تو وہ زبان کی صورت اختیار کر لیتی ہے اور ترقی کرتے کرتے ایک معیاری زبان بن جاتی ہے۔

زبان کوئی ٹھوس اور معین چیز نہیں ہے۔ زبان میں مختلف اوقات اور مختلف علاقوں میں مختلف لسانی تجربات ہوتے رہتے ہیں۔ انھیں تجربات کی وجہ سے زبان مختلف بولیوں کی شکل میں مختلف علاقوں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ارتقاء پذیر ہوتی رہتی ہے۔ یہی فرق بولیوں کی شکل میں مختلف



علاقوں میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ ارتقا پذیر ہوتی رہتی ہے۔ یہی فرق بولیوں کی شکل میں سامنے آتا ہے۔ ماہرین لسانیات اسی فرق کو بنیاد بنا کر زبان کی بولیوں اور اس کے ارتقا کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ یوں لسانی عمل زبان کی ترقی کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالتا رہتا ہے۔

بولی انگریزی لفظ ”ڈائلیکٹ“ (Dialect) کا مترادف ہے۔ اسے علاقائی تحسی بولی بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کسی زبان کا مقامی روپ ہوتا ہے۔ ماہرین لسانیات فرد بولی (Idiolect) کے ذریعے ہر شخص کی بولی کا مطالعہ کرتے ہیں جن لوگوں سے ہم روزانہ ملتے ہیں۔ انہیں اگر ہم سامنے نہ بھی دیکھیں تو انہیں ہم آواز سے لوگوں کو پہچان لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرد کی بولی، لب و لہجہ اور انداز گفتگو دوسروں سے جداگانہ ہوتا ہے۔ وقت اور عمر کے ساتھ ساتھ ہر شخص کی بولی اور لہجے میں بھی فرق آتا چلا جاتا ہے۔ بقول ڈاکٹر گیان چند جین:

”ایک گھٹے ہوئے (Compact) علاقے کی تمام فرد بولیوں میں ایک قدر مشترک ہوتی ہے۔ اگر فرد بولیوں کی یہ قدر مشترک سمجھنے اور بولنے دونوں کی حد تک سو فیصد یا تقریباً سو فیصد ہے تو یہ فرد بولیاں ایک بولی کے تحت آتی ہے۔ اگر ایک بڑے علاقے کی تمام فرد بولیوں میں یہ قدر مشترک کسی قدر کم ہو مثلاً 70 یا 70 فیصد تو یہ ایک زبان کی کئی بولیوں کو پیش کرتی ہے۔ اگر یہ قدر مشترک بہت ہی کم ہے۔ مثلاً دس، بیس یا تیس فیصد تو ظاہر ہے کہ ان فرد بولیوں میں ایک سے زیادہ زبانیں دخل پا گئی ہیں۔“ (1)

بولی مشترک زبان بولنے والے لوگوں پر انحصار کرتی ہے۔ بولی زبان کی وہ شاخ ہے جس کے بولنے والوں میں کوئی لسانی اختلاف نہ پایا جائے اور یہ بولی عموماً ایک مخصوص علاقے تک بولی جاتی ہے۔ جہاں تک بولیوں کی بات ہے، بولی اس لیے بولی رہتی ہے کہ اس میں ادب تخلیق نہیں ہوتا، اسے ذریعہ تعلیم نہیں بنایا جاتا بلکہ یہ صرف بولنے کی حد تک ایک جگہ کی شکل میں سینہ در سینہ اور زبان در زبان اپنا سفر جاری رکھتی ہے۔ زبان اور بولی کے فرق کے حوالے سے ڈاکٹر رؤف پارکچہ لکھتے ہیں:

”لسانیات کی رو سے زبان اور بولی کی تعریف کا تعین اور ان میں تفریق کرنا اتنا آسان نہیں ہے کیونکہ بعض اوقات دو زبانوں یا دو بولیوں کی سرحدیں اس طرح ملی ہوتی ہیں کہ ایک علاقے کی زبان یا بولی معمولی فرق سے دوسرے علاقوں میں بولی جاتی ہے اور وہاں سے ایک نئی بولی کا خطہ شروع ہو جاتا ہے اور ان میں تکنیکی بنیادوں پر امتیاز قائم کرنا لسانیات کے ماہری کے لیے بھی پریشان کن مسئلہ ہے۔“ (2)

مختلف بولیوں میں سے ایک بولی زیادہ مشہور قابل قبول اور شائستہ سمجھی جاتی ہے۔ اسے ہم کسی بولی کا شہری روپ بھی کہہ سکتے ہیں۔ جس بولی کو پڑھے لکھے بولتے ہیں وہ تراش خراش ہونے کے بعد زیادہ مروج ہوتی ہے اور عموماً لکھنے پڑھنے میں بھی اسی کو استعمال کیا جاتا ہے۔ شان الحق حقی لکھتے ہیں:

”ایک جیسے ہوئے معاشرے میں ہر زبان کی ایک معیاری بولی ہوتی ہے اور کئی فروعی یا تحتی بولیاں جو اس کے ارد گرد بستی ہیں۔ ایک انگریزی مصنف ارنٹ وسل (Erntwistle) نے ان کا نقشہ یوں پیش کیا ہے کہ زبانوں کی ایک کھڑی تقسیم ہوتی ہے اور ایک بڑی تقسیم ڈیلیٹ افقی یا پڑی تقسیم میں آتے ہیں۔ ان کا اختلاف جغرافیائی یا مقامی ہوتا ہے جب کہ کھڑی یا عمودی تقسیم طبقہ واری ہوتی ہے۔“ (3)

بعض ماہرین کے مطابق ہر زبان کسی نہ کسی عہد میں بولی کے روپ میں موجود ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو بناتی سنوارتی ہے اور رفتہ رفتہ زبان کی شکل اختیار کرتی چلی جاتی ہے۔ کچھ بولیاں جو زبان کی شکل اختیار نہیں کر پاتی رفتہ رفتہ ختم ہوتی چلی جاتی ہیں یا خود کو تبدیل کرتی رہتی ہیں اور کسی نہ کسی شکل میں بولی ہی کی حیثیت میں زندہ رہتی ہیں۔ ان بولیوں پر دیگر علاقائی زبانوں اور لب و لہجہ کے اثرات بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں بعض اوقات واضح



فرق نظر آتا ہے اور بعض اوقات فرق اتنا معمولی ہوتا ہے کہ اسے زیادہ محسوس نہیں کیا جاتا۔

”ہر زبان میں بیک وقت متعدد رنگ نظر آتے ہیں۔ ہر لسانی علاقے میں سماج کے مختلف طبقوں کی بول چال میں تھوڑا تھوڑا سا فرق ملتا ہے۔ یہ طبقے پیشے، شغلے، علم و فن، جنس (مرد اور عورت)، مالی حیثیت اور تہذیب و ثقافت وغیرہ کے لحاظ سے بنتے ہیں۔ ہر طبقے کے افراد کی گفتگو بھی ایک دوسرے سے جدا ہوتی ہے۔“ (4)

زبان بولیوں کے مجموعے پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک زبان کی مختلف علاقوں میں مختلف بولیاں بولی جاتی ہیں۔

معیاری بولی:

زبان کی سب سے اہم بولی کو معیاری بولی کہا جاتا ہے جو لوگوں کے ملنے جلنے تعلیمی زبان اقتدار والوں کی زبان ہونے کی وجہ سے یکساں بولی جاتی ہے۔ اگر معیاری زبان کی اہمیت اور حیثیت کم ہونے لگی تو وہ ایک بولی کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ معیاری زبان میں تعلیم و ادب کی نشوونما ہوتی ہے اور بولیوں میں ادبی تخلیق کم ہوتی ہے۔ معیاری زبان، ادبی اور کتابی زبان ہوتی ہے لوگ اسے مجلسوں میں بولتے ہیں۔

پست معیار بولی:

کم پڑھے لکھوں اور پست طبقے سے تعلق رکھنے والوں کی بولی پست معیار بولی کہلاتی ہے۔ یہ طبقہ زبان کو بگاڑ کر بولتا ہے۔ اس میں کاریگر، ہنرمند طبقہ، بازاری لوگ، کاروبار سے وابستہ لوگ اور عام ٹھیلہ لگانے والے لوگ شامل ہوتے ہیں جو اس قسم کی بولی بولتے ہیں۔ اسی لیے اس قسم کی بولی کو تحریری روپ دینے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔

سوقیانہ بولی:

بعض لوگ، بالخصوص لڑکے، بازاروں میں گھومنے پھرنے والے، آوارہ گردی کرنے والے اور شرارتیں، شیطانیوں اور چھیڑ چھاڑ کرنے والے لڑکے جو زبان بولتے ہیں اور جو روزمرہ استعمال کرتے ہیں اسے سوقیانہ بولی کہتے ہیں۔ وہ لفظوں کو بگاڑ کر بدل کر انوکھے انداز میں بات کرتے ہیں۔ گنواہری بولی:

اسی طرح غیر مہذب اور گنوار طبقہ یا جیلا گنواہری بولی بولتے ہیں۔ یہ کسی بھی زبان کی تبدیل شدہ اور مسخ شدہ شکل ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کو ہر بات میں گالی دینے کی عادت ہوتی ہے وہ کسی کو پکارتے وقت یا بات کرتے وقت میں زبان میں گالیوں کا استعمال کرتے ہیں جو ان کی بولی کو گنواہری بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔

عورتوں کی بولی:

عورتوں کی بولی بھی معیاری زبان سے کافی مختلف ہوتی ہے۔ عورتیں گھروں میں مخصوص زبان بولتی ہیں جو انھیں عموماً وراثت میں اپنے ماں باپ سے ملی ہوتی ہے۔ عورتوں کا محاورہ اور روزمرہ مردوں سے کافی مختلف ہوتا ہے۔ اس حوالے سے دلی کی بیگماتی زبان جیسی کتاب سامنے آچکی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مصنفین نے خاص طور پر عورتوں کے محاورہ، لفظ، الفاظ، روزمرہ پر خصوصی کام کیا ہے۔ سید احمد دہلوی نے ”لغات النساء“ لکھی۔ وحید نسیم نے ایک کتاب بعنوان ”اردو زبان اور عورت“ لکھی ہے۔ انشا اور جان صاحب نے تو اس حوالے سے رنجیتی جیسی صنف متعارف کرا دی جس میں مرد عورتوں کے جذبات ان کی بولی، محاورہ اور ان کے روزمرہ میں بیان کرتے ہیں۔

علاقائی بولیاں:

انھیں بولیاں اپنے علاقوں یا ابتلاک کی بنا پر بھی پہچان رکھتی ہیں۔ جیسے ضلع کرنال کی بولی، پانی پت کا لہجہ، بجنور کی بولی، دہلی کی بولی، لکھنؤ کی بولی، ہریانہ کی بولی، رام پور کی بولی وغیرہ۔ اسی طرح پنجاب کے علاقوں میں بولی جانے والی اردو، کراچی کے مختلف طبقوں میں بولی جانے والی بولیاں، اندرون سندھ رہنے والے سندھیوں کا اردو کا لہجہ، پشاور اور کوئٹہ میں پشتو بولنے والوں کا اردو بولنے والے وقت لہجہ یہ سب ایک زبان کو مختلف بولیوں میں پیش کرنے کا سبب بنتا



ہے۔ ہریانہ، کرنال وغیرہ کے علاقوں سے آئے ہوئے لوگوں اور ان کی اولادوں کی بولیاں اردو کی معیاری بولی سے قدرے مختلف ہیں:

”اردو کے مختلف علاقائی درپوں میں بھوپالی اردو، کلکتے کی اردو، بمبئی کی اردو، کشمیری اردو، سورجاپور اردو، دکنی اردو، بہار اور رام پور کی اردو، ڈھاکے کی اردو، پشاور کی اردو اور لاہور کی اردو مشہور ہیں۔“ (5)

اس وقت اردو پاکستان کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے مگر مختلف علاقوں کے لوگ اسے اپنی مادری زبان کے آمیزش کر کے بولتے ہیں تو اس کا ایک نیا لہجہ سامنے آتا ہے۔ جب پٹھان اردو بولتے ہیں تو ان کی بولی ان لوگوں سے مختلف ہوتی ہے جو سندھی زبان، سرانگی یا پنجابی زبان بولنے والے اردو بولتے ہیں کیونکہ ان لوگوں کی بولی اور اصوات میں اپنی بولی اور علاقائی انداز شامل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئٹہ میں رہنے والے متوسط یا غریب طبقہ کے لوگ سردیوں کے موسم میں جب کام اور روزی کے سلسلے میں دوسرے علاقوں کا رخ کرتے ہیں تو وہاں وہ جس انداز میں اردو بولتے ہیں وہ اسی سے مخصوص ہیں۔

بولیاں ارتقا پذیر ہیں انسان اور تہذیب کے ارتقا کے ساتھ ساتھ بولیوں کا ارتقا بھی جاری و ساری ہے۔ انسانی زندگی کے ساتھ ساتھ بولیوں کا لسانی سفر بھی جاری رہتا ہے۔ اس وقت دنیا میں 195 ممالک میں 6809 زبانیں بولی جاتی ہیں۔ بھارت میں 733 کے قریب زبانیں مستعمل ہیں جبکہ اٹھارہ بڑی زبانوں کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔ پاکستان میں زبانوں کی تعداد 56 کے قریب ہے جب کہ 18 زبانیں ایسی ہیں جن کا رسم الخط موجود ہے اور جن میں ادب تخلیق ہو رہا ہے۔ ان زبانوں میں اردو، بلوچی، براہوی، پشتو، سندھی، سرانگی، پنجابی، کشمیری، پہاڑی، گوجری، ہندکو، بلتی، شنا، گادری اور واخی جیسی زبانیں شامل ہیں۔ (6)

”چترال میں کلاشہ، پالولہ، گوری، ڈمیلی اور سوتی وار، یدغہ، کھوار، دری، پشتو، گوجری، ییشگلی وار یقولی، واخی اور کرغیز کو مادری زبانوں کی حیثیت حاصل ہے۔“ (7)

پشتو:

پٹھان قوم افغان اور پختون (پشتون) دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ یہ مختلف قبیلوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ان کی زبان پشتو یا پختون اسے بولتے ہیں۔ براعظم ایشیا کے جنوب مغرب کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔ پختونوں کے وطن میں کوہ سیاه، ہزارہ، وادی سوات، وادی کاغان، پشاور، مردان، کوہاٹ، بنوں، وادی کرم، شمالی وزیرستان، ڈیرہ اسماعیل خان، جنوبی وزیرستان شامل ہیں۔ زیادہ تر علاقہ پہاڑی ہے۔ زمانہ قدیم میں پشتونوں کے وطن کو گندھارا کے نام سے یاد کیا گیا:

”گندھارا سے مراد وہ علاقہ ہے جو دریائے کابل کی وادی سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کی تہذیب اس وقت مشرق میں ٹیکسلا تک اور مغرب میں کابل سے آگے تک پھیل گئی۔“ (8)

پشتوزبان بہت قدیم زبان ہے۔ اس کی قدامت کے بارے میں کئی دعوے کیے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چار ہزار سال سے زیادہ قدیم زبان ہے۔

”یہ زبان سنسکرت کی ماں ہے تاہم یہ صحیح طور سے نہیں کہا جاسکتا کہ یہ زبان کب اور کس طرح پیدا ہوئی، البتہ مستشرقین نے یہ ثابت کیا ہے کہ پشتوزبان کا تعلق مشرقی ایران میں مستعمل زبانوں سے ہے اور اس کی بنیاد قدیم ایرانی زبان اور ستا پر رکھی گئی ہے، بعد میں دوسری زبانیں خاص طور پر عربی، فارسی اور سنسکرت اس پر اثر انداز ہوئیں۔“ (9)

سنسکرت سے پشتو کا رشتہ ہوتا تو اس کا رسم الخط ضرور سنسکرت سے متاثر ہوتا ہے جب کہ پشتو کا رسم الخط ابتدائی طور پر خروشتی تھا جو کہ دائیں سے بائیں لکھا جاتا تھا۔ موجودہ رسم الخط متفقہ رسم الخط ہے جسے باڑہ گلی کا رسم الخط کہا جاتا ہے کیونکہ اسے باڑہ گلی میں منعقدہ ایک کانفرنس میں متفقہ طور پر



طے کیا گیا ہے۔ پنجابی، سرائیکی، پشتو، بلوچی، ہندکو اور سندھی کی بات کرتے ہوئے ڈاکٹر سلیم اختر شمالی علاقہ جات میں بولی جانے والی زبانوں کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”بلٹی، شینا، بروشکی، کوہستانی، کھوار، واخی، ڈوکی، کاشغری اور ان کے ساتھ ساتھ فارسی، کشمیری، گوجری اور ہندکو بھی بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اس طرح بلوچستان میں براہوی زبان بھی ہے جب کہ خود پنجابی اور سرائیکی کے کئی لہجے ہیں۔“ (10)

یہ تخصیص صرف پاکستانی زبانوں کی حد تک ہی نہیں بلکہ پوری دنیا میں زبانوں کی یہی صورت حال ہے کہ وہ مختلف بولیوں میں منقسم ہیں اور ایک بولی دوسری بولی سے کسی نہ کسی حد تک مختلف لسانی خصوصیات رکھتی ہیں۔
زندہ اور مردہ زبانیں:

دنیا میں لاتعداد زبانیں ہیں، اتنی زیادہ کہ انھیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ زبان کے حوالے سے دلچسپ بات یہ ہے کہ اس میں پڑھے لکھے اور ان پڑھے لوگوں کی تخصیص نہیں کیونکہ زبان کو تو پڑھے لکھے بھی بولتے ہیں اور ان پڑھے بھی استعمال کرتے ہیں۔ ان پڑھے زیادہ، اعداد و شمار کے حوالے سے بتایا جاتا ہے۔ پاکستان کی شرح خواندگی تقریباً 26 فیصد ہے۔ ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو انگوٹھا لگانے کے بجائے صرف آڑی ترچھی لائیں لگا کر دستخط کرتے ہیں اور خود کو پڑھے لکھوں میں شمار کر دیتے ہیں۔

زبان کا دار و مدار زیادہ تر بول چال پر ہوتا ہے۔ انہیں صدیوں تک صرف چول چال سے پہچانی جاتی رہی اور نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔ بول چال ہی آگے جا کر زبان کو محفوظ کرنے اسے تحریری شکل میں لانے کا سبب بنتی ہے اسی سے مختلف میڈیم تشکیل پاتے ہیں۔
زبان ایک ایسی چیز ہے جو بولنے والے کو کبھی تنہا نہیں چھوڑتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ زبان کی نمو اور اس کے ارتقا کے لیے مناسب ماحول اور کوششوں کو بروئے کار لایا جاتا رہے، جیسا کہ بولنے میں تکلم اور اصوات کو اہمیت ہوتی ہے۔ اسی طرح بصری میڈیم۔۔۔ جہاں لکھنے اور پڑھنے میں زبان کا علامتی ڈھانچہ اپنا کردار ادا کر رہا ہوتا ہے۔

زندہ زبان:

زبان بولنے والا چاہے عامل ہو یا جاہل وہ زبان کے حوالے سے اسے بول کر اپنا کردار نبھاتا رہتا ہے۔ عالم لکھنے، پڑھنے اور پڑھانے میں زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ مگر زبان کے حوالے سے ان پڑھوں کی بھی اپنی جگہ اہمیت ہے کیونکہ وہ زبان سے ابلاغ کا کام لے رہے ہوتے ہیں۔ وہ زبان میں زندہ زبان ہی کہلائے گی۔ خلیل صدیقی لکھتے ہیں:

”زبان کا کوئی بھی جزو ہو، اس کا ہر جزو سی وقت تک زندہ سمجھا جاتا ہے جب تک وہ زبان زور ہٹا، سنا جاتا اور یاد رکھا جاتا ہے۔ بول چال اس کی غذا ہے وہ علوم و ادبیات، فکر و آگہی کی مظہر اور امانت دار بن کر بھی اپنی غذا کے لیے محتاج رہتی ہے۔ جو سیر نہ آرسکے تو اس کا فطری ارتقا رک جاتا ہے اور کتابوں ہی میں بند ہو کر رہ جاتی ہے۔ لیکن کتابیں اسے صحیح میں زندہ نہیں رکھ سکتیں۔“ (11)

زبان وہی زندہ کہلاتی ہے جس کے بولنے والے اور جس میں غور و فکر کرنے والے موجود ہوں زبانوں میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ کام ہوتا رہتا ہے۔ پھر نہ کچھ نئے الفاظ شامل ہوتے رہتے ہیں۔ کچھ پرانے الفاظ متروک ہوتے جاتے ہیں۔ مولوی عبدالحق لکھتے ہیں:

”ہماری زبان اگر زندہ ہے تو اس میں نئے نئے الفاظ آتے ہی رہیں گے خواہ وہ کسی زبان کے ہوں، اس سے کوئی زندہ زبان بچ نہیں سکتی۔ لیکن اس سے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ موت سے رانچ چلے آ رہے ہیں، انھیں خارج کر دیں اور ان کی جگہ ڈکشنریوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایسے بے ڈول، بے ڈھنگے اور کرخت الفاظ داخل کر دیں جن کے ادا کرنے میں زبان کئی کئی قلابازیاں کھائے اور کانوں کے پردے



بھٹنے لگیں۔ جو لفظ پہلے سے رائج ہیں اور ہماری زبان میں گھل مل گئے ہیں۔ خواہ کسی زبان کے ہوں وہ اب ہمارے ہیں غیر نہیں۔“ (12)

نئی نئی ایجادات کے ساتھ زبانوں کا دامن لفظی بھی بڑھتا ہے۔ آج سے تیس سال پہلے اردو زبان میں کمپیوٹر، موبائل اور ان سے جڑی مختلف چیزوں کے نام موجود نہیں تھے جب کہ کل یہ سب الفاظ اردو زبان کے ذخیرہ لفظی میں ہو کر اس کے دامن کو وسیع کر رہے ہیں۔ اس طرح انٹرنیٹ اور کمپیوٹر سے جڑی ہر چیز نے بھی اردو زبان کے دامن کو وسعت دی ہے جو ایک ایجادات کے نام اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے اور اس حوالے سے اس میں الفاظ و تراکیب اور اصطلاحات کا کام ہوتا رہتا ہے۔ وہ زندہ زبان کہلاتی ہے۔ کسی بھی معاشرے کو اپنے تہذیبی اور ثقافتی ارتقاء کے لیے ایک زبان کی ضرورت ہوتی ہے جس کی بدولت وہ معاشرہ ترقی کی راہیں طے کرتا چلا جاتا ہے۔ اگر ان کی اپنی زبان اس قابل نہ ہو تو لامحالہ طور پر وہ کسی اور زبان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں۔ یوں ان کی زبان اس تغیر و تبدل اور ترقی سے محروم ہوتی چلی جاتی ہے جو کہ اسے صاحب فکر اور ماہرین تعلیم کی بدولت ملتی تھی۔

”حرکت، تبدیلی اور نشوونما ایک زندہ زبان کی لازمی خصوصیات ہیں۔ زبان جب تک زندہ ہے تب تک ارتقا پذیر ہے اور جس طرح زندگی اپنے عہد اور ماحول سے بے تعلق نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح زبان بھی اپنی نشوونما اور توسیع کے لیے انھیں عوامل پر انحصار کرتی ہے۔“ (13)

زندہ زبانیں درج ذیل حوالے سے چینی اور ترقی کرتی ہیں۔

1- تعلیم و تدریس:

جو زبان تعلیم و تدریس کی زبان ہو اس کے بولنے والے کبھی کم نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ تدریسی نظام کے ذریعے ہر سال لاکھوں بچے اس زبان میں پڑھتے ہیں۔ سرگرمی میں حصہ لیتے ہیں مقالات لکھتے ہیں اور نئی نئی موشگافیاں کرتے ہیں۔ سائنسی دریافتیں، تاریخی حقائق، تنقید و تحقیق کے حوالے سے متنوع کام، جس کی وجہ سے زبان آگے بڑھتی ہے۔

2- ادب، صحافت:

زبان کو فروغ دینے میں ایک اہم کردار اس کے ادیبوں کا بھی رہتا ہے۔ ادیب نئے نئے موضوعات کو سوچتے ہیں، لکھتے ہیں، غور و فکر کرتے ہیں۔ زندہ زبانیں بڑا ادب پیدا کرتی ہیں۔ ادب کے ذریعے زبان میں جہاں خیالات اور سوچ کو جلا ملتی ہے وہاں نئے نئے الفاظ اور تراکیب بھی زبان کا حصہ بنتے ہیں۔ ناول، افسانہ، خودنوشت، مضمون، رپور تاژ، مقالات، فیچر، شاعری، نغمہ، غزل، مرثیہ، قصیدہ، نعت وغیرہ سینکڑوں مختلف پہلوؤں سے ادب زبان کو نئی سانس عطا کرتا ہے۔

3- مذہب:

مذہبی عبادات، رسومات، تہوار، آسمانی کتابیں، احادیث کی کتب اور ان سے جڑی تفاسیر تراجم زبان کو نئی زندگی کی طرف لے جاتی ہیں۔ مذہب کے حوالے سے مختلف کتب کی اشاعت، دینی ادب، حمد و نعت بھی زبان کو نئے زاویوں سے روشناس کراتے ہیں۔

4- تہذیب و ثقافت:

تہذیبی اور ثقافتی سرگرمیاں سماج کی ساخت اور زبان کی بنت میں اہم کردار کی حامل ہوتی ہیں۔ سماج میں موجود انسانوں کے آپس میں تعلقات، گھر کی اکائی سے لے کر ملکی اور بین الملکی تعلقات، لین دین، مذاکرات بھی زبان کی نشوونما میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ ثقافتی میلے ٹھیلے، جشن بہاراں اور دیگر متعدد تقریبات زبان کو زندہ رکھنے میں اپنا جاندار کردار ادا کرتی ہیں۔

زندہ زبانوں میں جدید تحقیق کے حوالے سے کام ہوتا رہتا ہے۔ اصطلاحات اور ترجمہ کے شعبے کام کرتے رہتے ہیں۔ زبان کو زندہ رکھنے میں ایک اہم کردار ان بولیوں کا بھی ہوتا ہے جو مختلف علاقوں میں زبان کے مختلف روپ پیش کرتی ہیں۔



5- ترجمہ:

ترجمہ لسانی عمل کو تیز کرتا ہے۔ دور سی ترقی یافتہ یا علمی و ادبی حوالے سے زیادہ زرخیز زبانوں سے جب ترجمہ کیا جاتا ہے تو بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے لیے لفظ چننے میں لسانی عمل سرگرم ہو جاتا ہے جس سے زبان میں نہ صرف ذخیرہ علمی بڑھتا ہے بلکہ زبان لسانی حوالے سے امیر ہوتی چلی جاتی ہے۔ بقول پروفیسر آل احمد سرور:

”ترجمے کی اہمیت کسی طرح تخلیق سے کم نہیں۔ ترجمے میں تخلیق کو از سر نو پانا ہوتا ہے اس لیے امریکہ میں ترجمے کے لیے دوبارہ تخلیق Recreation کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔ مترجم کا کام صرف لسانیاتی نہیں بشریاتی ”Anther Poligical“ بھی ہے یعنی اسے صرف اصل زبان Source Language سے ہی واقفیت نہیں ہونا چاہیے۔ اس زبان کی تہذیب اور معاشرے سے بھی آشنا ہونا چاہیے۔“ (14)

زبان میں جتنی علم زبان کی اہمیت سے اسی قدر ترجمے کی بھی اہمیت ہے۔ زبانوں کی نشوونما، ترقی اور ارتقا میں ترجمے کا کردار ہمیشہ کلیدی نوعیت کا رہا ہے۔ بقول مرزا حامد بیگ:

”ترجمہ محض علوم کے فروغ ہی میں حصہ نہیں لیتا بلکہ انسانی گروہوں کے درمیان ذہنی مفاہمت بھی پیدا کرتا ہے۔“ (15)

چونکہ ہماری جدید شاعری اور تخلیقی غیر تخلیقی نثر پر مغربی اثرات بہت زیادہ ہیں اس لیے ترجمے کی اہمیت بھی کسی طور پر کم نہیں ہے۔

مردہ زبان:

مندرجہ بالا باتوں کی سائنس رکھتے ہوئے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ جس زبان میں تعلیم و تدریس نہ ہو، جس میں ادب تخلیق نہ ہو رہا ہو، جس میں مذہبی اور دینی کام نہ کیا جا رہا ہو، جو تہذیبی اور ثقافتی رویوں کی ترجمانی نہ کر رہی ہو۔ جس میں اصلاح زبان رک چکی ہو، نئے نئے الفاظ اور تراکیب، اصطلاحات، جس کا جزو نہ بن رہے ہوں وہ زبان آہستہ آہستہ مردہ ہوتی جائے گی اور ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ اس کے بولنے والے ہوتے ہوئے ناپید ہوتے جائیں گے۔ خلیل صدیقی کے بقول:

”عرف عام میں مردہ کہلانے والی زبانیں ماضی ہی کے عصری تقاضے پورے کرنے کا وسیلہ نہ رہی تھیں، ان کے ذریعے سے دور، جدید کے یکسر مختلف گانا گوں اور پیچیدہ تقاضوں سے عہدہ برآں ہونے کی توقع عبث ہے۔ چنانچہ ان کو بول چال میں استعمال کرنے یا ان کے احیا کی کوئی گنجائش نہیں۔“ (16)

زبانیں بننے اور ختم ہونے کا عمل ایک دو سال پر نہیں بلکہ دہائیوں پر محیط ہوتا ہے۔ یہ ایک مسلسل لسانی عمل ہے جس کے نتیجے میں زبانیں آہستہ آہستہ متروک ہوتے ہوئے مردہ ہوتی چلی جاتی ہے۔ یا پھر ترقی کرتے ایک مقبول عام اور دلچیز زبان کا درجہ حاصل کر لیتی ہے۔ خلیل الرحمن لکھتے ہیں:

”کوئی زبان اچانک نہیں مر جاتی اور نہ اس کی جگہ کوئی دوسری زبان اچانک پیدا ہو جاتی ہے زبان کی خاص چیزیں اس زبان کے قوانین اور قواعد ہوتی ہیں اور عوام کے گہرے رشتے اور الفاظ کے حسین ذخیرے ہوتے ہیں یہ چیزیں جب تک زبان کے ساتھ ہیں زبان کی موت ناممکن ہے۔“ (17)

عوام اچانک کوئی زبان اختیار نہیں کرتے اور نہ اس پر قادر ہیں کہ سب لوگ اچانک ایک زبان کو بالکل چھوڑ کر دوسری زبان بولنے لگ جائیں۔ زبان ایک سماجی سرگرمی ہے اور اس کا انسانی معاشرے کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ زبان کا تعلق سیاسی اور سماجی کشش کے ساتھ ہے۔ انھیں سیاسی کمزوریوں کی بنا پر بعض اوقات زبانیں رو بہ زوال ہونا شروع ہوتی ہیں۔ ان کے لسانی نظاموں کو بھی بھلا دیا گیا ہے۔

قواعد:



قواعد کسی زبان کو زندہ رکھنے اور اسے ترشنے اور سنوارنے میں نہایت اہم ہے۔ قواعد صرف کتابیں، معلومات، اصولوں اور ضابطوں کا نام نہیں بلکہ قواعد چلتی پھرتی اور بولی جانے والی زبان سے تعلق ہے۔ ماہرین قواعد کا کام زبان کے اصولوں اور ضابطوں کی ترتیب اور اصلاح ہے۔ یہ اصول بولے جانے والی زبان سے اخذ کیے۔ ماہرین قواعد جملوں، جملوں کی بناوٹ جملوں کے اجزاء، جملوں کی ترکیب، جملوں میں ترتیب دیئے گئے الفاظ پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ جملوں کی اقسام، مغل، حرف، اسم فاعل، موضوع وغیرہ کے مباحث کا مطالعہ بھی قواعد کی ذیل میں آتا ہے۔

ماہرین قواعد ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ کون کون سے جملے قواعدی اصولوں کے تحت ہیں اور کون سے قواعد کے مطابق نہیں ہیں۔ ان سب باتوں کے لیے سادہ اور آسان فہم قواعد کی تشکیل زبان کی صفائی اور ترقی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

زبان اور ابلاغ:

لسانیات زبان کا مطالعہ کے دوران بانوں کی مکمل تشریح، تفہیم اور توضیح کرتی ہے۔ لسانیات ایسا اس لیے کرتی ہے کہ زبان کے بارے میں کوئی اور غلطی پیدا نہ ہو جائے اور جس زبان پر لسانیاتی کام ہو رہا ہو تا ہے اس کی ماہیت پر غور و خوض بھی لسانیات کی ذمہ داری ہے۔ ماہرین لسانیات کسی زبان پر کام کرتے ہوئے کئی حوالوں اور پہلوؤں سے اس زبان کو دیکھتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے بھی اسلوبیاتی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ مطالعہ محض اسلوبیاتی مطالعہ نہیں ہو تا بلکہ روایت سے ہٹ کر زبان کا ان زاویوں سے مطالعہ کرتا ہے جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ زبان کس طرح اپنا کردار ادا کر رہی ہے۔

ماہر لسانیات جب زبان کے حوالے سے تحقیق کر رہا ہے تو اس بارے میں پہلے سے موجود لسانی اصولوں کو بھی سامنے رکھتا ہے اور اگر کوئی نئے زاویے اور اصول بنانے پڑیں تو وہ کچھ اصول دفع کر کے اپنے انداز سے بھی زبان کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ اس مشاہدہ میں وہ زبان بولنے والوں ہی پیش نظر رکھتا ہے۔

زبانوں کا مطالعہ اور تحقیق کرتے ہوئے ماہر لسانیات کا موضوع شروع سے لے کر آخر تک صرف زبان ہی رہتا ہے۔ زبان کے مطالعہ اور اس کے ابلاغ کے لیے ضروری ہے کہ ماہر لسانیات زبان کا مطالعہ کرتے وقت اس دور کے سماجی اور تاریخی عوامل کو بھی سامنے رکھے اور اس کے ساتھ ساتھ مذہب اور اساطیر کو بھی نظر انداز نہ کرے۔



حوالہ جات

- 1- گلیان چند، عام لسانیات، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دوسرا ایڈیشن، 2003ء، ص 62
- 2- رؤف پارکھی، ڈاکٹر، پاکستانی زبانیں تحتی بولیاں اور قومی یکجہتی، مشمولہ: تحقیق، سندھ یونیورسٹی، جام شور، شمارہ 16، 2008ء، ص 50
- 3- شان الحق حق، زبان کے معیار کا مسئلہ، اخبار اردو، اسلام آباد، جون 2014ء، ص 3
- 4- سہیل بخاری، ڈاکٹر، تشریح لسانیات، ص 70
- 5- رؤف پارکھی، ڈاکٹر، پاکستانی زبانیں تحتی بولیں اور قومی یکجہتی، 1989ء، ص 58
- 6- انعام الحق جاوید، ڈاکٹر، پاکستانی زبانیں اور قومی یکجہتی، اخبار اردو، اسلام آباد، جون 2010ء، ص 21
- 7- عنایت اللہ فیضی، ڈاکٹر، قومی یکجہتی اور شمالی علاقوں کی زبانیں، اخبار اردو، اسلام آباد، 2010ء، ص 31
- 8- محمد مدنی عباسی، پشتو زبان و ادب کی تاریخ، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، 1969ء، ص 15-16
- 9- ایضاً، ص 5
- 10- سلیم اختر، ڈاکٹر، لفظ... آقا، اخبار اردو، اسلام آباد، 2010ء، ص 6
- 11- خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، ملتان: بیک بکس، 1989ء، ص 43
- 12- عبدالحق، مولوی، مشمولہ: ہندوستانی زبان، مرتبہ: محمد قاسم نوری، لاہور: درد اکادمی، دوسری بار 1969ء، ص 81
- 13- سہیل وحید، صحافتی زبان، لاہور: نگارشات، 1998ء، ص 217
- 14- آل احمد سرور، پروفیسر، مجموعہ تنقیدات، لاہور: الو قاری پبلی کیشنز، سن، ص 795
- 15- حامد بیگ مرزا، ڈاکٹر، مغرب سے نثری تراجم، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1998ء، ص 19
- 16- خلیل صدیقی، زبان کیا ہے، ملتان: بیک بکس، 1989ء، ص 45
- 17- شکیل الرحمن، (مقدمہ) زبان اور کلچر، سرینگر کشمیر: شاہین بک سٹال، 1958ء، ص 17

References:

- Abbasi, M. M. (1969). *Pashto Zuban-o-Adab ki Tareekh*. Lahore: Markazi Urdu Board, pp. 15-16.
- Akhtar, S. (Dr.). (2010). *Lafz... Aaqa. Akhbar-e-Urdu, Islamabad*, p. 6.
- Arshad, W., Maqsood, A., Zaidi, S. S., Haroon, M., Qadir, U. M., Sultana, U., Arshad, S., Haq, M. I. U., & Sanaullah, S. (2024). Kalam-e-Iqbal: Current requirements and our priorities. Retrieved from https://www.researchgate.net/publication/384326267_Kalam_E_Iqbal_Current_Requirements_And_Our_Priorities
- Attaullah, M., Ovaisi, M. A., & Arshad, W. (2023). Indirect Contributions of Neocolonial Era on Urdu Language. *Makhz (Research Journal)*, 4(3)
- Awaisi, M. A., Attaullah, M., & Arshad, W. (2023). Modern Urdu Fiction and Sufism: An Analytical Study. *Makhz (Research Journal)*, 4(4)
- Bukhari, S. (Dr.). *Tashreeh-e-Lisaniyat*, p. 70.
- Chand, G. (2003). *Aam Lisaniyat* (2nd ed.). New Delhi: National Council for the Promotion of Urdu Language, p. 62.
- Faizi, I. (Dr.). (2010). *Qaumi Yakjehti aur Shumali Ilaqon ki Zubanen. Akhbar-e-Urdu, Islamabad*, p. 31.
- Haqqi, S. H. (2014, June). *Zuban ke Miyaar ka Masla. Akhbar-e-Urdu, Islamabad*, p.



3.

- Javed, I. H. (Dr.). (2010, June). *Pakistani Zubanen aur Qaumi Yakjehti. Akhbar-e-Urdu, Islamabad*, p. 21.
- Jawaid, A., Batool, M., Arshad, W., ul Haq, M. I., Kaur, P., & Sanaullah, S. (2025). AI AND ENGLISH LANGUAGE LEARNING OUTCOMES. *Contemporary Journal of Social Science Review*, 3(1),
- Jawaid, A., Khalil, A., Gohar, S., Kaur, P., Arshad, W., & Mukhtar, J. (2024). ENGLISH LANGUAGE LEARNING THEORIES AND DIGITAL TECHNOLOGIES OF 21ST CENTURY: A SYSTEMIC SCENARIO. *Journal of Applied Linguistics and TESOL (JALT)*, 7(4)
- Jawaid, A., Mukhtar, J., Mahnoor, D. P. K., Arshad, W., & ul Haq, M. I. (2025). ENGLISH LANGUAGE LEARNING OF CHALLENGING STUDENTS: A UNIVERSITY CASE. *Journal of Applied Linguistics and TESOL (JALT)*, 8(1), 679-686.
- Mirza, H. B. (Dr.). (1998). *Maghrib se Nasri Tarajim*. Islamabad: Muqtadra Qaumi Zuban, p. 19.
- Ovaisi, A., & Arshad, W. (2024). The Travlogue of Mahmood Nizami “NAZAR NAMA”: Analytical Study. *Tahqeeq-o-Tajzia*, 2(01)
- Parekh, R. (Dr.). (1989). *Pakistani Zubanen, Tahti Boliyan aur Qaumi Yakjehti*, p. 58.
- Parekh, R. (Dr.). (2008). *Pakistani Zubanen, Tahti Boliyan aur Qaumi Yakjehti. Tehqeeq, University of Sindh, Jamshoro*, Issue 16, p. 50.
- Rehman, S. (1958). *(Muqaddama) Zuban aur Culture*. Srinagar, Kashmir: Shaheen Book Stall, p. 17.
- Sarwar, A. A. (Prof.). *Majmua Tanqeedat*. Lahore: Al-Waqar Publications, n.d., p. 795.
- Siddiqi, K. (1989). *Zuban Kya Hai*. Multan: Baik Books, p. 43.
- Siddiqi, K. (1989). *Zuban Kya Hai*. Multan: Beacon Books, p. 45.
- Waheed, S. (1998). *Sahafati Zuban*. Lahore: Nigarshat, p. 217.